شیعت کی اجتہاداتی تحریف

تحریراز: ڈاکٹر سید بنیاد علی آقائی

آغا صاحب: آج ہماری شیعہ قوم جن گروہ بندیوں میں تقسیم در تقسیم ہوتی چلی جا رہی ہے، اُسکی اساس فقط انفرادی "**خود سری**" پر مبنی ہے۔ علمائے حق کے خلاف ذاکرین حضرات کی عوامی مخالفت نے، قوم کے شعور کو مفلوج اور فکری صلاحیتوں کو زنگ آلود کر دیا ہے۔ آج ہر مجلس اور محفل میں ایک ہی موضوع کہ عزاداری اور اجتہاد ایک دوسرے کی منطقی ضدیں زیر بحث ہوتا ہے۔ اس قدر ذہنی گھٹن کی فضا میں کسی بلند سوچ، کسی اعلیٰ منشور، کو بروئے کار لا کر کوئی انقلابی تبدیلی لانا، ایک محال خیال ہی رہ جاتا ہے۔ آپ نے ابھی اتحاد، امن "مفاہمت کا ذکر ہی شروع کیا، فوراً بیرونی ایجنٹ کہہ کر آپکو مسترد کر دیا جائے گا۔

غلام دانش: آغا صاحب اہل فکر اور آپ جیسے علماء واسطے یہ لمحہ فکریہ ہے۔ اگر یہ ہی بدگمانیاں، لاشعوری اور گمراہ عقائد کا راج رہا تو وہ وقت بھی دور نہیں جب ایک تیسری طاقت اس کا بھرپور فائدہ اُٹھاتے ہوئے ہماری شیعہ قوم کو اپنے پُرسحر قبضے میں کر لے گی۔

ڈاکٹر مسرور رضا: اس تیسری قوت سے آپ کی کیا مراد ہے؟ موجودہ حکومت یا بین الاقوامی دشمن کے سوائے کون ہو سکتا ہے؟

غلام دانش: میں ایسے دُشمن کیطرف اشارہ کر رہا ہوں جو داخلی ہے نہ کہ خارجی۔

ڈاکٹر مسرور رضا: آپ کھل کر اس نامعلوم زہر آلود دشمن کو عیاں کریں۔

غلام دانش: چند ایام قبل، میں انٹرنیٹ پر ایک مضمون باعنوان "**پاکستانی شیعہ قوم میں ڈاکٹر علی شریعتی کی آئیڈیالوجی کی ضرورت**" پڑھ رہا تھا۔ اس کا مصنف کوئی غیر معروف ڈاکٹر بنیاد علی آقائی ہے۔ مضمون نویس نے صرف عزاداری پر ہی تنقید نہیں کی بلکہ نہایت شدت سے اجتہاد کو بھی نشانہ بنایا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ عزاداری ایک نشہ بن چکا ہے جبکہ اجتہاد، سیاسی و عقلی اجارہ داری۔ وہ کس قدر جارحانہ منطق کیساتھ اِن دونوں صورتوں میں، یعنی عزاداری کے اندھے جوش اور اجتہادی نافہمی، فلسفہ ولایت کی موت قرار دیتا ہے۔ اُس کا مقدمہ یہ ہے کہ قوم کو اصل مسائل کا حل عزاداری کی رسوم اور ملائی پوجا پاٹ میں نہیں؛ بلکہ حقیقی اسلام کی انقلابی روح، ابوذر غفاری کی سوشلسٹ شیعت میں ملے گا۔ اس شیعی سوشلزم کا مارکس کی لادینیت سے کوئی سروکار نہیں؛ بلکہ وہ فلسفہِ عدل کو ہی **اداریاتی شیعت** میں ملبوس کرنے کا داعی ہے۔ یعنی وہ عزاداری اور اجتہاد کو ایک لخطہ مسترد کرتے ہوئے ایک سوشلسٹ شیعت کا اداریاتی قیام چاہتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ سوچ، آئیڈیالوجی، ہمارے نئے سماجی نظام میں پڑھے لکھے لیکن باغی، نوجوان نسل کیلئے اتنی پرکشش ہے، کہ اگر ہم نے اس کو قبل از وقت نہ روکا تو آج کا یہ معمولی زخم کل کا ناسور ثابت ہو گا۔

ڈاکٹر مسرور رضا: میں سمجھتا ہوں کہ عزاداری ہمارے خون میں شامل ہے۔ ہماری قوم اپنی ذہنی استعداد میں اتنی آزاد نہیں کہ خود مختارانہ فیصلے کر سکے اور کوئی آئیڈیالوجی کا فریب دے کر اجتہاد کے فلسفے، جو روحِ شیعت ہے، کو جھٹلا سکے۔ چنانچہ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ ہم عزاداری کی اصلاح کیلئے اُن آیات، احادیث، تاریخی واقعات، عقلی دلائل کو شیعہ قوم میں عام کر دیں جو اجتہاد و تقلید کی لاثانی حقیقت کا شعور پیدا کرنے میں معاون ہوں۔ خارجی اور داخلی سازشوں کو ناکام بنانے کا فقط راستہ اجتہاد اور مجتہدین کی تقلید ہے، کیونکہ وہ ہی تو امامؑ زمانہ کے حقیقی نائب ہیں۔ اس طرح اجتہاداتی روحِ شیعت کا، کسی آئیڈیالوجی کو جرات نہ ہوگی کہ سامنا کرے۔

آغاصاحب: آپ حضرات نے شیعانِ علیؑ کو لاحق ''خود سری'' کی بیماری کا خوب تجزیہ و تشخیص کی ہے اور موثر علاج پیش فرمایا ہے۔ بے شک **اداریاتی شیعت کی آئیڈیالوجی** اور غیر منظم عزاداری کی روک تھام کا واحد حل اجتہاد و تقلید کے فروغ میں ہی ہے۔

سید درویش: محترم بھائیوں اور قابلِ قدر آغا صاحب، میری آپ سے دردمندانہ گذارش ہے کہ ایسی حکمتِ عملیوں سے ہماری شیعہ قوم کا پاکستان میں ستیاناس کرنے کی کوشش نہ کریں۔ یہ جو آپ پر یہاں شیعت میں اجتہاداتی انقلاب لانے کا بھوت سوار ہے آخر کار بڑے افسوس ناک طریقے سے اترے گا۔ دیکھیں جو آپ یہاں اصلاح کے جواز پر اجتہادی انقلاب لانے کا بھیانک خواب سجائے بیٹھے ہیں، وہ مودودی کی خلافت اور بھٹو کے بانشیوازم پروگرام کی طرح چکنا چور ہو جائے گا۔

آغاصاحب: سید صاحب اس پر تفصیلی روشنی ڈالیں!

سید درویش: آغا صاحب یہاں بریلوی آبادی 60 سے 70 فیصد ہے۔ جبکہ شیعہ لوگ 20 سے 25 فیصد۔ باقی دیوبندی، اہلحدیث اور غیر مسلم اقلیتیں ہیں۔ دیکھیں اگر آپ اجتہادی نقطہ نظر اور نظام پھیلا کر عزاداری اور ولایت تکوینی کو ولایتِ تشریعی کے آلہ سے کاٹ کر ہضم کرنے کی کوشش یا ارادہ فرماتے ہیں تو دو، ردِ عمل سامنے آئیں گے، جسمیں آپ خود شیعت میں **وھابی مقصر** بن کر قوم کی نفرت کا شکار ہو جائیں گے۔ بجائے اصلاح کرنے کے آپ اپنی ساری توانائیاں وہابیت اور تقصیر کے کلنک کو صاف کرنے میں ہی ضائع کر دیں گے ایک طرف جوش و جذبے میں سرشار عزادار، آپ کے سیاسی اور مصالحتی رویے اور سکیموں سے بیزار ہو جائیں گے۔ تو دوسری طرف آپ کو ادبی، عقلی، روحانی، مذہبی اور نقلی سطحوں پر **''ولائیتی گروہ''** کی زبردست مزاحمت آڑے ہاتھوں لے گی۔ آپ کو تسلیم کرنا ہوگا کہ وہ فلسفی، علمی اور عارفانہ میدان میں آپ سے کہیں زیادہ ہوشیار، دقیق سوچ کے مالک اور عمدہ عقل کے روایتی پاسدار ہیں۔ آپ ان کو نصیری، اخباری، غالی کہہ کر لاکھ اپنے دلوں کو تسلی دے لیں۔ لیکن شیعی معرفت و فلسفہ کے افق پر ان کا ہی راج ہے۔ اہلِ تشیع کا یہ فلسفی طبقہ آپ کو ایسی ناقابلِ تسخیر مزاحمت سے دوچار کرے گا کہ آپ کو بھائی بھائی والا فارمولہ اپنانے میں ہی عافیت کا راہ نظر آئے گا۔ آپ کو اپنی اس سیاسی و مذہبی غلطی کا

احساس تب ہو گا جب پاکستان کی بریلوی اکثریت جو اہلبیتؑ کے فضائل اور مناقب میں کائنات کی تخلیق اور نور کی وجہ قرار دیتی ہے ؛اور سُنی تصوف کے علمبردار اور اس سرزمین میں پیدا ہونے والے درویش لوگ: **ولائیتی شیعان علیؑ** سے ملکر آپ کو **مقصر وھابی** کی نفرت خیز نگاہوں سے دیکھیں گے۔ انقلاب کے خواب کا نشہ ہرن ہونے کے بعد آپ کو سمجھ آئے گی، کہ آپ شیعت کے گلے میں جو تقلید کا پٹہ ڈالنا چاہتے تھے، وہ خود آپ ہی کیلئے پھندا بن گیا ہے۔ آپ کا یہ بالکل خام خیال ہے کہ شیعت میں انقلاب کا مطلب ہے کہ تمام چرسی، شرابی، بھنگی، ملنگ ختم کر دو۔ کیا علامہ اقبال، جوش ملیح آبادی، مرزا غالب مہ نوشی نہ کرتے تھے ؟ آپ شہباز قلندر، داتا دربار لاہور، امام بری کو تالے لگوا دینے کو نام شیعتِ حقیقی کہتے ہیں ؟ آپ ذرا نشے کی تعریف تو کریں۔ کیا ابلیس کو خود عبادت کا نشہ نہیں چڑھا ہوا تھا ؟ ابلیس کونسی شراب، رقص یا ساز کا دلدادہ تھا ؟ دوسری طرف جنت میں آدمؑ کون سے اعمال و عبادات ادا کر رہا تھا ؟ ذرا گنوائیں تو سہی ! آپ چاہتے ہیں کہ لوگ سجادہ نشینوں کی بجائے علماء اور مجتہدین کو پیر بنا کر اُن کی پرستش شروع کر دیں ؟ یہ سطحی اصلاح رسوم، ملنگوں کی ھتک، مزارات بیزاری ظاہر کر کے، آپ فلسفہ عزاداری اور فلسفہ عدل وولائیت کو یرغمال بنا کر جو نظام رائج کرنا چاہتے ہیں، وہ آپ کو آخر کار نفرت کی کھائی میں گرا دے گا۔ آپ انقلاب ایران کی مثال میں کیوں حقائق پر پردہ پوشی کرتے ہیں ؟ ایران کے انقلاب کی تاریخ کا دیانت داری سے مطالعہ تو کریں جس کے پیچھے 1906ء کا **دستوری انقلاب** پیش خیمہ تھا۔ انقلابِ ایران کا شعوری محسن وہی ڈاکٹر شریعتی ہے جسکی آئیڈیالوجی کو غلام دانش صاحب شیعت میں سازش اور بدعت قرار دے چکے ہیں۔

آغا صاحب: سید صاحب آپ کے مقدمے میں وزن ہے۔ ہمیں اجتہاد کو مسلط کر کے بالکل اپنے غیر مقلد بھائیوں، وہ عزادار ہوں یا **ولائیتی شیعانِ علیؑ**، کو مجبور نہیں کرنا چاہئے کہ وہ سُنی محبِ اہلبیتؑ، جو ہمارے اسلامی بھائی ہیں، سے ملکر کھلی مخالفت بلکہ تصادم پر اتر آئیں۔ اور جب ہمیں ہوش آئے تو پتہ چلے کہ یہ ایران نہیں تھا۔ اس صورتحال میں ہمیں اختلافات کیسے ختم کر کے یکجا ہونا ہو گا ؟

سید درویش: آغا صاحب اختلاف کرنا ہر ذی فہم انسان کا فطرتی حق ہے۔ تاہم احسن طور پر دلیل کے ساتھ انجام پانے سے نہ صرف تصادم کے اندیشے مٹ جاتے ہیں۔ بلکہ علم میں اضافہ ہوتا ہے۔ اسی واسطے حدیث نبوی ﷺ ہے کہ میری امت میں اختلاف باعثِ رحمت ہے۔ قرآن تو ظاہری طور پر اس حدیث کی تردید کرتا نظر آتا ہے اپنے الفاظ میں کہ "امت تفرقے میں نہ پڑے"۔ آپ کمال تو دیکھئے کہ کس طرح قرآن نے مجبور کر دیا ہے کہ معصومؑ کو ڈھونڈنے پر جو ہمیں بتائے کہ حدیث قرآن کی تردید نہیں بلکہ قرآن خود احسن الحدیث ہے۔ اگر قرآن کیساتھ عترت نہ ہوتی تو کوئی مائی کا لال اس قدر علمی اہمیت کی حامل حدیث کو ضائع ہونے سے بچا ہی نہیں سکتا تھا۔

آغا صاحب: آپ نے ٹھیک فرمایا کہ تقلید کا سب سے بڑا خطرہ ہی یہ ہے کہ اختلاف کی رحمت کا دروازہ بند ہونے سے فکری یکسانیت میں عقلی آزادی کی زندگی کا پہیہ جام ہو کر رہ جاتا ہے۔ میں حیران ہوں کہ پھر اس میں کیا حکمت ہوگی جبکہ امام معصومؑ فرما رہے ہیں کہ مجتہدین کی تقلید کرو۔

سید درویش: اگر آپ اس کے لئے مستند حوالہ دیں تو زیادہ مناسب ہوگا، تاکہ بحث مضبوط بنیادوں پر پروان چڑھے۔

آغا صاحب: امام حسن عسکری علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: **"لوگوں کو چاہیے کہ فقہا** (یعنی احکام شریعت کو تفصیل و تحقیق کے ساتھ جاننے والے مجتہدین) **میں سے جو شخص اپنے آپ کو گناہوں سے بچاتا ہو، اپنے دین کی حفاظت کرتا ہو، اپنی نفسانی خواہشات کا غلام نہ ہو اور احکامِ الٰہی کی اطاعت کرتا ہو، اس کی تقلید کریں۔ یہ اوصاف معدودے چند شیعہ فقہا میں ہیں۔ سب میں نہیں"**۔ احتجاج طبرسی جلد ۲، صفحہ 263۔

سید درویش: آغا صاحب اس میں لفظ مجتہد تو ہے ہی نہیں۔

آغا صاحب: کیوں نہیں؟ قوسین میں لکھا ہے "یعنی احکام شریعت کو تفصیل و تحقیق کے ساتھ جاننے والے مجتہدین"۔

سید درویش: دیکھیں واضع لفظ "**فقہا**" کیلئے آیا ہے۔ باقی آپ کی، یا راوی کی، یا نقال کی، زبردستی تشریح ہے، کہ وہ مجتہدین ہوتے ہیں۔ علم الرجال، جو کسی سچ کو جھٹلانے، اور جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کی فنکاری ہے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ آج مجھے علمِ قوسین میں بھی دیکھنے کو مل گیا ہے۔

آغا صاحب: لیکن مجھے تو فقہا اور مجتہدین میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔

سید درویش: اچھا آپ "رحمان" اور "رحیم" کے لفظوں میں کوئی فرق دیکھتے ہیں؟

آغا صاحب: جی بالکل! زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ رحمان وہ سب کیلئے ہے۔ رحیم صرف مؤمنین کیلئے۔ دونوں میں عدل نے تمیز روا رکھی ہے۔

سید درویش: تو کیا فقہا اور مجتہدین میں فرق کیلئے عدل میں تمیز ختم ہو گئی تھی؟ یا پھر آپ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ امامؑ سے علمی خطا سرزد ہو گئی تھی جو راوی یا مصنف نے درست فرما دی؟ یا پھر لفظ مجتہد کا رواج نہ تھا، کیونکہ اس کا استعمال خطرناک ثابت ہو سکتا تھا؟

آغا صاحب: وہ علم الکلام کا زمانہ تھا۔ سنُی دنیا میں لفظ اجتہاد یا مجتہد رواج پا چکا تھا۔ لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ امامؑ نے مجتہد کا لفظ کیوں استعمال نہ کیا؟

سید درویش: اس لئے کہ دونوں الفاظ ایک دوسرے کے مترادف نہیں بلکہ متضاد ہیں۔ دو علیحدہ علیحدہ دنیاؤں کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس کو سمجھنے کے لئے آپ ذرا عام فہم کیلئے مجتہد کی تعریف تو فرمائیں۔

آغا صاحب: عام فہم سے آپ کی کیا مراد ہے؟

سید درویش: میرا مطلب ہے کسی طبرانی، شعرانی، اشعری یا تفتازانی کی پیچیدہ زبان کی بجائے اردو استعمال کیجئے گا تاکہ مجھے بھی سمجھ آجائے۔

آغا صاحب: اگرچہ آپ ٹھیک فرمارہے ہیں، لیکن عربی زبان میں کلام الہیٰ نازل ہوا۔ اس سے بہتر کوئی زبان نہیں۔

سید درویش: اس میں کوئی شک نہیں۔ لیکن یہ بات ہمیں ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ قرآن ہمیں کوئی لسانیات کی تعلیم یا فن سیکھانے کیلئے نازل نہیں ہوا تھا۔ یہ کوئی شکسپیئر کی شاعری یا وارث شاہ کا کلام نہیں! یہ نہ ہی ھومر یا کسی ڈانٹے کی نظم ہے۔ یہ تو حکمت کی کتاب ہے جسمیں غور و فکر اور تعقل کرنے کی ضرورت ہے۔ حق اور باطل میں تمیز کی دعوت دیتا ہے۔ ورنہ ابو جھل، عمر ابن سعد، خوارج، حجاج بن یوسف سب مومن نہ ہو جاتے؟ اور سیوطی، رازی، طبری، ابن خلدون، ابن کثیر وغیرہ وغیرہ شیعانِ علیؑ کہلاتے؟

آغا صاحب: دیکھیں مجتہد وہ عالمِ دین ہے جو کسی مسئلے کے حل واسطے پوری دیانتداری سے "جُہد" کرتا ہے۔ اگر وہ کامیابی سے ہمکنار ہو جائے تو دوگنا ثواب پاتا ہے؛ لیکن ناکامی کی صورت میں بھی اسے ایک نیکی کا اجر ملتا ہے، کیونکہ اسنے دیانتداری سے کوشش تو کی۔

سید درویش: آپ کہنا چاہتے ہیں کہ مجتہد ایسا عالم ہوتا ہے جو "جانتا نہیں"، بلکہ جُہد، کوشش کرتا ہے۔

آغا صاحب: ظاہر ہے کہ اگر جانتا، تو کیوں کوشش کرتا؟

سید درویش: کیا آپ مجھے اجازت دیں گے کہ میں آپ کی تعریف کو اپنے الفاظ میں ملبوس کروں؟

آغا صاحب: آپ کا حق بنتا ہے۔

سید درویش: مجتہد وہ عالم ہوتا ہے جس کا جُہل اس کے جُہد میں ثابت ہوتا ہے۔

آغا صاحب: جی ہاں۔

سید درویش: اب یہ بتائیں کیا امامؑ بھی اپنے زمانے کا، اعلیٰ سہی لیکن، مجتہد ہوتا ہے؟

آغا صاحب: آپ نے مجھے سنگین ترین صورتحال میں پھینک دیا ہے۔ میں نے کبھی سوچا ہی نہ تھا کہ میں کبھی خود یہ سوال سمجھ پاؤں گا۔ امر حق یہ ہے کہ امامؑ فطرتاً امامؑ ہی **"ہوتا"** ہے۔ وہ یہ مقام کسب کر کے امامؑ **"بنتا نہیں"۔**

سید درویش: آپ اپنے اس انکشافِ حق کو کلام میں زینت دیکہ ہماری گفتگو کو شرف بخشیں گے ؟

آغا صاحب: امامؑ کی عصمت قرآن میں ثابت ہے۔ امامؑ کبھی ظالم نہیں ہوتا۔ ظلم کی ضد ہے عدل۔ عدل کرنے کیلئے علم درکار ہے۔ جب امامؑ اپنے علم میں ظلم سے پاک، معصوم ہے، تو اس کی فطرت میں جُہل کہاں سے داخل ہو جائے گا؟ کیونکہ حضرت ابراہیمؑ نے جب قرآن میں دعا فرمائی کہ اے میرے اللہ یہ امامت کا عہدہ اُس کی ذریت میں محفوظ فرما تو اُنؑ سے ربّ نے وعدہ فرمایا کہ وہ یہ عہدہ ظالمین کو کبھی نہ دے گا۔ مطلب حدیث کساء والے ہی اہل تطہیر نہیں بلکہ جو جو امامؑ برحق من جانب اللہ ہے وہ ظلم سے پاک، اپنی فطرت میں عالم اور عادل ہے۔ یہی مطلب ہے "**راسخون فی العلم**" کا۔ وہ جو علم میں راسخ ہیں۔ وہ کسبی نہیں۔ عیسیٰؑ نے تو خود ثابت کیا کہ وہ پیدائشی نبیؑ ہے، لیکن ابراہیمؑ نے امامؑ کو اسلام سے 3000 سال قبل جب عیسیٰؑ، نہ ہی موسیٰؑ کا کوئی اتا پتہ تھا، **عالم نہیں** بلکہ **علیم** قرار دے دیا قرآن کی **آیت ذریت** میں۔ علیم کو اس کے بعد، مجتہد کے جُہل کی حد تک گرانا، نہ صرف تقصیر بلکہ آیات قرآنی کی کھلی تکذیب کرنا ہے۔ یوں عالم بھی نہیں، علیم کو، مجتہد کہنا، عقل کی بھونڈی ہے۔ ابوالآئمہؑ، خطیب منبر سلونی، نفسِ رسول ﷺ، باب العلم ہیں۔ جس دروازے کیطرف جانے سے علم حاصل ہوتا ہے، وہ ہی دروازہ اپنی جگہ چھوڑ کر اجتہاد کرے گا؟ ہمیں علم کیلئے باب العلم تک جانا ہے یا باب کو علم کیلئے ہمارے مقام تک آنا ہے؟ یہ منطق نہیں، منطق کی توہین ہے۔

سید درویش: یہی شیعت کا مقدمہ ہے کہ عالم اور جاہل مساوی نہیں ہوتے۔ عالم کے ہوتے ہوئے جاہل کی پیروی کرنا ظلم ہے۔ حضرت علیؑ کیوں مقدم تھے خلافت کیلئے؟ اس لئے کہ آپ کے پاس قرآن کی تفسیر و تاویل کا علم تھا۔ آپ قرآن کے عالم تھے، باب العلم تھے، آپ کی پیروی کرنے والے کو **جُہد کی نہیں** بلکہ خود **اتباع کی ضرورت** ہے۔ اگر کوئی اتباعِ امامؑ کی بجائے جُہد شروع کردے بلکہ دوسروں کو اپنی تقلید کا حکم دے، تو کیا معنیٰ آپ اس سے اخذ کریں گے؟ سقیفہ میں اہل اجتہاد ہی نے تو اجماع کرکے غدیر خم کے مولاؑ کی اتباع کو جھٹلا کر، عالم کی جگہ غیر عالم کی بیعت شروع کردی تھی۔

آپ لوگ اب خود ہی صاف دلی سے فیصلہ فرمادیں کہ امام عسکریؑ اپنی موجودگی میں کس طرح اپنے ماننے والے شیعوں کا سفینہ **کسی نہ جاننے والے** اجتہاداتی **واسکوڈے گاما** کے سپُرد کر سکتے تھے؟ عالم کیوں اپنے شیعوں کو مسائل کے حل واسطے جاہل کیطرف تقلید کیلئے بھیج سکتا ہے؟

آغا صاحب: یہ حقیقت ہے کہ عالم خود کبھی بھی مسائل کو حل کرنے کیلئے جاہل کے سپُرد نہیں کرتا، لیکن سید صاحب آپ نے گفتگو کے دوران مجتہد کی تشبیہ کسی "واسکوڈے گاما" سے دی ہے۔ یہ کون تھا؟ آیا کسی چیز یا جگہ کا نام ہے؟

سید درویش: واسکوڈے گاما ایک پرتگالی جہاز ران اور سیاح تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ امریکہ پہنچ جائے جو نیا نیا ہی دریافت ہوا تھا۔ لیکن دورانِ سفر ہی وہ اپنا راہ کھو کر پہنچ انڈیا گیا۔ جانا مغرب تھا اور چلا مشرق گیا، اپنی بھرپور کوشش کی وجہ سے۔ خیر وہ جناب تو

انڈیا پہنچ گئے اور بچت ہو گئی۔ لیکن نا معلوم کتنے اُس جیسے مہم جو اُاپنی کوشش کا شکار ہو کر سمندر میں ڈوب غرق ہو گئے! مجتہد بھی اپنے اجتہاد کی کوشش میں واسکوڈے گاما ہوتا ہے۔ پہنچ گئے تو انڈیا، نہ پہنچے تو اللہ کے حوالے!

میں آپ کے سامنے ایک اور مثال پیش کرتا ہوں۔ فرض کیجئے ایک شخص کو لاہور جانا ہے۔ اُس کا دوست پوچھتا ہے کہ کیا اسے لاہور کا علم ہے؟ لیکن مسافر کہتا ہے: "اللہ بہتر جانتا ہے"۔ وہ تو لاہور ہی جانا چاہتا ہے، ہاں اگر پشاور پہنچ گیا یا سرگودھا، تو اسمیں اُس کا کوئی قصور نہیں۔ آپ کی کیا رائے ہے اس خوش عقیدہ شخص کے متعلق؟

آغا صاحب: یہ مسافر نہیں بلکہ خود فریب مہم جُو ہے۔ اسے لاہور جاننے والے کی راہنمائی حاصل کرنا چاہئے۔

سید درویش: اسی لئے امامؑ نے واسکوڈے گامے کی مانند، جو مجتہد ہوتا ہے، کی بجائے فقیہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔

آغا صاحب: تو فقیہ کون ہوتا ہے اس حدیث میں؟

سید درویش: فقیہ وہ ہوتا ہے جو جانتا ہے کہ باب العلم کون ہے۔ وہ جانتا ہے کہ امامِؑ وقت کون ہے۔ کیونکہ وہ اس کی معرفت رکھتا ہے۔ وہ اسی علیم کیطرف رجوع کرتا ہے۔ وہ راسخون فی العلم سے پوچھتا ہے۔ اس کے برعکس مجتہد نہ پوچھتا ہے نہ جانتا ہے نہ تسلیم کرتا ہے اپنی خودی کے سوائے کسی کو، مسئلہ پوچھنے کیلئے۔ چنانچہ وہ اپنی رائے دیتا ہے، اپنا فیصلہ سناتا ہے۔

ڈاکٹر مسرور رضا: سید صاحب آپ کا ماننا ہے کہ مجتہد سے ہم علم کی توقع نہ رکھیں کیونکہ اس کی رائے ظن پر استوار ہوتی ہے، مطلب آج کچھ، کل کچھ۔ کیا وہ فقط تجرباتِ ذہنی کرتا رہتا ہے؟ جبکہ مجتہد تو عالم ہوتا ہے۔ ہر چیز پر نظر رکھتا ہے۔ اس کا اپنے نتیجہ کو اللہ کے توکل پر جُہد کے دوران چھوڑ دینا ہی اس کی علمی ایمانداری کا ثبوت ہے کہ وہ دعویٰ دار نہیں۔

سید درویش: عالم بھی ہے؛ پھر دعویدار بھی نہیں۔ آپ پڑھے لکھے ہو کر بھی بات کو سمجھ نہیں رہے۔ آپ کا بیانیہ اپنے جوہر میں تضاداتی ہے۔

ڈاکٹر مسرور رضا: میں سمجھتا ہوں کہ مجتہد بھی سائنس دان کیطرح عالم ہوتا ہے۔

Although he has not exact knowledge, still he is always using Trial methodology of science.

سید درویش: لگتا ہے آپ بات کو سمجھنا ہی نہیں چاہتے۔ آپ نے پہلے مجتہد کو عالم بنایا اور اب عالم کو سائنس دان بنا دیا ہے۔ دینی معاملات پر بحث کو آپ سجھ نہیں رہے اور سائنس اور سائنس دان کو لپیٹ میں لے رہے ہیں۔

ڈاکٹر مسرور رضا: کیا ایسا نہیں؟

سید درویش: بالکل نہیں!

ڈاکٹر مسرور رضا: آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟

سید درویش: آپ کو کس سائنس دان نے کہہ دیا کہ وہ عالم ہے؟ Isaac Newton کہتا تھا کہ وہ گھاس کے اک پتے کی حقیقت کو بیان نہیں کر سکتا۔ موجودہ سائنس تو داخلی بحران کا شدت سے شکار ہے۔ اگر Newton۔ Galileo۔ Hawking۔ Einstein۔ اپنے اپنے علم میں حتمی ہوتے تو علم میں کیا ترقی ہو پاتی؟ کیا آج کوئی ہوش مند Theory of Relativity کے بعد سائنس میں عالم ہونے کا دعوٰی دار ہو سکتا ہے؟ معلومات کا سلسلہ اتنا عمیق اور لا متناہی ہے کہ سمجھ جتنی ترقی کرتی جاتی ہے، باشعور انسان میں اُس کی جہالت کا احساس اور شدت اختیار کرتا جاتا ہے۔ ہاں اگر عقل ہی جب دماغ بدر ہو جائے تو کیا کہنے! پھر موجیں ہی موجیں۔ کھلی چھٹی ہے ایک دوسرے کو عالم، علامہ کہہ کر بغلیں بجاؤ۔

سائنس دان تو فقط طالب علم ہوتا ہے۔ عالم کیسا؟ حدیث نبوی ﷺ ہے کہ گہوارے سے لحد تک علم حاصل کرو۔ تو غیر معصوم انسان اپنی فطرت میں ہمیشہ علم کا طالب ہی رہتا ہے۔

جس نے کبھی پڑھا ہی نہیں کہ Mitochondrion کس بلا کا نام ہے؟ وہ اجتہاد کر کے آپ کو بتائے گا کہ ATP کس طرح Bioenergy فراہم کرتا ہے؟ آپ کس کو بے وقوف بنا رہے ہیں؟ دیکھیں ماسوائے معصومینؑ، کوئی غیر معصوم عالم نہیں۔ سب علم کے طالب، طالبِ علم ہیں۔ پس عالمِ ربانی تو دور، کوئی انسانی شعبے میں بھی علم کا دعوٰی دار نہیں ہو سکتا! عالم ربانی صرف اور صرف آئمہؑ اطہار ہیں۔ باقی ہر عالم ہونے کا دعویدار، جُہل مرکب میں مبتلا **سوفسطائی** ہے۔ آغا صاحب کس قدر کمال مدلل گفتگو فرما چکے ہیں، آئمہ کے علمی مقام پر!

ڈاکٹر مسرور رضا: اچھا اگر مجتہد بھی سائنس دان کیطرح طالب علم ہی ہے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔

سید درویش: اچھا اگر ''واسکو ڈے گاما'' اپنی اجتہاداتی کشتی سے اُتر کر سرجن بن جائے۔ اور اجتہاد کی روشنی میں آپریشن شروع کر دے۔ مطلب نکالنا گردہ تھا اور نکال مثانہ دیا، تو کیا خیال ہے، کوئی عاشقِ اجتہاد مریض اُس کے پاس جائے گا؟

ڈاکٹر مسرور رضا: آپ ماشاء اللہ سمجھ دار ہیں۔ کیا ایسا سرجن ہو سکتا ہے جو صرف اجتہاد کی بنا پر مریض کی زندگی سے کھیل جائے؟

سید درویش: ڈاکٹر صاحب میری غریب سمجھ آپ جیسی کہاں؟ آپ مجھے یہ سمجھا دیں کہ اگر آپ کا عالم بنا علم، اپنی طالب علمی میں مجتہد بن کر علم کا دعویدار ہو سکتا ہے تو پیچھے اس سرجن کے اجتہاداتی آپریشن پر آپ کی حیرانگی کے کیا معنی بچ جاتے ہیں؟

غلام دانش: لیکن مجتہد جیسے عالمِ دین کا سرجن کیطرح انسانی جسم سے کیا تعلق ہے؟ یہ ایک روحانی معاملہ ہے۔ اس کا ایمان سے تعلق ہے۔

سید درویش: تو اِس وقت آپ کیا بنا روح مجھ سے ہمکلام ہیں؟ کیا مجتہد کیلئے جسم جسد ہے؟ کیا مجتہد اپنے مقلدین سے عالمِ ناسوت کی بجائے ملکوت میں مخاطب ہوتا ہے؟

غلام دانش: آپ نے تو سرجن کی مثال دے کر مجتہد مادی سطح پر لا کھڑا کر دیا۔ یہ تو قیاس ہے۔

سید درویش: لو کمال ہے! آج تک تو آپ کی مجتہد کیلئے پسندیدہ مثال ڈاکٹر تھی کہ وہ ڈاکٹر کیطرح اپنا کام جانتا ہے۔ میں نے آپ ہی کی مثال کو منطقی انجام تک پہنچا دیا، تو آپ مجھ پر مثال کی نامناسبیت کا الزام لگا رہے ہیں۔

غلام دانش: جسم روح سے الگ نہیں، بلکہ روح کے تحت ہونا چاہئے۔ اور یہ صرف روحانی عالم ہی کر سکتا ہے۔

سید درویش: غلام دانش صاحب، میں نے آپ کو کب کہا کہ جسم اور روح علیحدہ ہیں؟ آپ فساد کیلئے نیا موضوع لے آئے ہیں کہ جسم کو روح کے تابع ہونا چاہئے۔ کس نے کہا ہونا یا نہیں ہونا چاہئے؟ ہمارا تو اس موضوع سے کوئی تعلق ہی نہیں بنتا۔

آغا صاحب: دانش صاحب آپ پریشان نہ ہوں، سید صاحب کا مقصد روح اور جسم کی دُہائی کرنا نہیں بلکہ انہوں نے مجازاً اپنی بات کو ظاہری صورت میں ڈھالا ہے۔ محترم آپ اپنی بات کو جاری رکھیں۔

سید درویش: شکریہ۔ اگر ہماری حقیر سمجھ اپنے جسم کو سرجن کے اجتہاد کے سُپرد کرنے پر راضی نہیں تو معصومؑ امام کیا اپنے مؤمنین کی ارواح اور ایمان کو روحانی قصابوں کے حوالے کر سکتا ہے؟ کبھی نہیں!

آغا صاحب: لیکن آئمہؑ نے اس کا کیا بندوبست کیا اپنے ادوار میں، کیونکہ شیعہ عوام تو دور دور پھیلی تھی؟ اگر مجتہدین، آئمہؑ کی موجودگی میں ایک محال خیال ہے تو پھر ہدایت کا نظام کیسے کارفرما تھا؟

سید درویش: آپ کا سوال بڑا عمدہ ہے۔ دیکھیں حدیث میں آپ نے فقہا کو مقرر کیا۔ فقیہ کا مطلب ہی ہے کہ امامؑ کا ایسا ذی فہم رکھنے والا نمائندہ جو درپیش معاملات و مسائل کو احادیث کی روشنی میں امامِؑ وقت کیطرف لوٹا دے۔

آغا صاحب: یعنی فقیہ کا مطلب ہے جو امامؑ کی حدیث کو سمجھنے کا فہم رکھتا ہو، تاکہ اس کو امامؑ کی طرف لوٹا سکے۔

سید درویش: جی ہاں! رائے رکھنے کی تو بات ہی نہیں۔ بلکہ اصل بات ایسا **مخصوص فہم** رکھنا ہے جو اس لائق ہو کہ حدیث کو امامؑ کی طرف لوٹا دے۔

آغا صاحب: فقیہ کے فہم کی یہ لاثانی تعریف برائے کرم ہمارے فائدے واسطے کھل کر بیان کیجئے۔

سید درویش: کیوں نہیں! دیکھیں آئمہؑ حاضرین کے وقتوں میں جب بھی کسی کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو وہ فقیہ کیطرف رجوع کرتا۔ بجائے اپنی رائے داخل کرنے کے، وہ احادیثِ آئمہؑ کی روشنی میں حل تلاش کرتا۔ جب کبھی اس کا فہم عاجز ہو جاتا تو وہ اپنے امامؑ کے ارسال خط سے موصول ہونے والے جواب کو سائل کے حوالے کر دیتا۔ یعنی فقیہ ایسا فہیم شیعہ ہوتا ہے جسمیں معاملے کو حدیث کے ذریعے امام کیطرف لوٹانے کی لیاقت ہو۔ دوسرے لفظوں میں وہ معاملے کو مجتہد کیطرح **اپنی طرف موڑ کر** رائے نہیں دیتا، بلکہ معاملے کو **امامؑ کیطرف لوٹا کر** امامؑ کی ہی اس معاملے میں **خبر** دیتا ہے۔ **یہاں حدیث کی حقیقت**

صرف امامؑ کی خبر دینا رہ جاتی ہے۔ حدیث فقیہ کیلئے امامؑ کی مخبر ہوتی ہے۔ بنا امامؑ کوئی حدیث برائے حدیث، خبر نہیں بلکہ قیاس کیلئے افواہ ہوتی ہے۔

پس فقیہ اپنے فیصلے میں معرفتِ امامؑ کا فہیم سفیر ہوتا ہے۔ وہ مجتہد کیطرح از خود کوئی خود مختار حیثیت کا حامل نہیں ہوتا۔ وہ آئمہؑ حاضرین کے ادوار میں فہیم واسطے کا نام تھا جو علیم امامؑ اور جاہل عوام کے درمیان رابطے کا پل قائم کر کے آخر الذکر کو معرفتِ امامؑ سے ہر معاملے میں مستفید کرواتا تھا۔ وہ ایسے دیانتدار فہم کا مالک اور سفیرِ امامؑ ہوا کرتا تھا، جو اپنی رائے نہیں بلکہ معرفتِ امامؑ کا احکام کی صورت میں انعقاد کرتا تھا۔ اب آپ خود فیصلہ کریں اُس عقل سے عاری کا، جو علیم امامؑ کی موجودگی میں مجتہد کے وجود کو تشیع میں جائز قرار دے، جبکہ ہر سُو امامؑ کیطرف سے فقہا مقرر تھے۔

آغا صاحب: مجتہدین کا وجود غیبتِ کبریٰ تک منطقی طور پر اس گفتگو میں ہم نے دیکھا، کہ محال ثابت ہوتا ہے۔ فقہا کی جو تعریف آپ نے نہایت عارفانہ استدلال میں پیش کی، اس کے بعد اس پر مزید اصرار عاشقانِ اجتہاد کی ضد ہی رہ جاتی ہے۔ میرا اگلا سوال، بلکہ ذہنی الجھاؤ یہ ہے کہ، غیبتِ کبریٰ میں کس کیطرف رجوع کرنا چاہیئے؟ کون امامؑ کی حجت ہے؟ کیونکہ جناب شیخ صدوقؒ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "اکمال الدین" میں حدیثِ امام الزمان نقل کی ہے کہ "غیبتِ کبریٰ کے زمانے میں پیش آنے والے حالات کے سلسلے میں ہماری حدیثوں کو بیان کرنے والے راویوں کیطرف رجوع کرو، کیونکہ وہ ہماری طرف سے تم پر اسی طرح حجت ہیں، جیسے ہم اللہ کیطرف سے حجت ہیں۔"

سید درویش: حدیث پر بات کرنے سے پہلے ہمیں دو حقائق کو مد نظر رکھنا ہو گا۔ اول یہ کہ امامؑ موجود ہیں۔ اگرچہ ہمیں نظر نہیں آتے۔ دوم یہ کہ امامؑ کا نائب غیر معصوم نہیں ہو سکتا۔ ہم سب امامؑ کے شیعہ ہیں۔ ہم آپ کے وکیل ہو سکتے ہیں۔ دیکھیں امامؑ کا مقدمہ حق ہے۔ ایک بد وکیل بھی دولت، شہرت کیلئے حق کا مقدمہ لڑ سکتا ہے۔ جیسے بنو امیہ کو ہٹانے کیلئے عباسیہ نے اہلبیتؑ کے حق کا علم بلند کر لیا۔ حجت کا مطلب بھی فقط ثبوت ہونا ہے۔ تاہم نائب با قاعدہ جگہ پر بیٹھنا ہے۔ علم کسب کرنے والا، کوئی کسبی، کس طرح علیم امامؑ کی جگہ گھیر سکتا ہے؟ چنانچہ ان خود ساختہ، خود فریب اور خوشامدی القاب کے استعمال سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

اب ہم حدیث کے متن کیطرف آتے ہیں۔ ہماری گذشتہ بحث میں یہ حقیقت ابھار کر سامنے لائی جا چکی ہے کہ فقیہ کا مجتہد سے مترادفی نہیں بلکہ متضاداتی تعلق ہے۔ حدیث میں امامؑ نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ حجت وہ لائق شخص ہو گا جو اُن کی احادیث کو بیان کرے۔ حجت وہی فہیم راوی ہے جس کا مقدمہ ہم پہلی حدیث کے حق میں لڑ چکے ہیں۔ یوں یہ والی حدیث پہلی کو ہی تصدیق کرتی ہے۔

آغا صاحب: لیکن امامؑ تو سید صاحب غیب ہیں۔

سیددرویش: (مسکراتے ہوئے) تو پھر کیا حدیث غلط ہے؟

آغاصاحب: میرا یہ مطلب ہرگز نہ تھا۔ لیکن اگر حدیث فقیہ کیلئے واضع نہیں تو پھر؟

سیددرویش: امامؑ کو موجود تو مانتے ہو نہ؟

آغاصاحب: بے شک!

سیددرویش: تو پھر کس کا انتظار ہے، اُس کی طرف لوٹا دو!

آغاصاحب: لیکن وہ تو غیب ہیں؟

سیددرویش: کبھی اندھوں کو بھی سورج نظر آیا ہے؟ نہیں! کیونکہ اندھوں کیلئے سورج غائب ہوتا ہے۔

آغاصاحب: آپ نے حق بات فرمائی۔

سیددرویش: معلوم ہوتا ہے آپ کو سمجھ آنا شروع ہو گئی ہے کہ امام المبین، کن کیلئے المبین امامؑ ہے! فقیہ کی نظر میں جو المبین ہوتا ہے، وہ نابینے دیکھنے سے قاصر ہیں۔ اسی کو مقصر کہتے ہیں۔

آغا صاحب حیرت زدہ، خاموش، نگاہیں جھکا کر، بے خبر بیٹھے گم ہو گئے۔ محفل میں کچھ معززین نے سید درویش کو گھیرا ہوا تھا۔ وہ بڑے وثوق کیساتھ فرما رہے تھے کہ اجتہاد غیر شیعی ایجاد ہے۔ جس کا شیخ مفید نے سنی معتزلیہ سے متاثر ہو کر سیاسی مفاہمت پیدا کرنے کیلئے پہلی بار اہل تشیع میں رواج ڈالا۔ جبکہ شیخ صدوقؒ محدث تھا، اور وہ اجتہاد کرنے سے بیزاری کا اظہار کرتا۔

24-05-2019

The Following writings are by the same author available at ARCHIVE.ORG

- The Islamic Philosophy: Avicenna or Ghazali
- The Nature of Islamic Science: The axis of Avicenna and West
- The Miracle, Reason and Islam.
- The Critique of pure Nihilism in Islamic Cosmology
- The Mythology of Islamic State
- The Myth of Marx and Pakistan
- The Ghost of Bolshevism in Pakistan
- The Irony of Authority: Dictator or Demagogue
- The Myth of Afghanistan and British Raaj
- سیاست در تشیع (The Politics in Shi'ism)
- نبی کا والد آزر نہیں ہوتا (The Monotheist Father of Abraham)
- پاکستانی شیعہ قوم میں ڈاکٹر علی شریعتی کی آئیڈیالوجی کی ضرورت (Ali Shariati in Pakistan)
- السلام کے تکوینی نظام کی ناجائز تشریح پر تنقید (The Critique of pure Nihilism in Islamic Cosmology)